ترکوں کی فتح کے اسباب

جناب جمال محمد صاحب صدیقی بی اے علیگ، علی گڑھ

بارھویں تیرھویں صدی کا ہندوستان تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ ترکوں کی آمد کا سلسلہ اسی دَور سے شروع ہوتا ہے۔ ہندوستان کے سماجی، سیاسی، معاشرتی نظام میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہوئی - یہ انقلاب جس نے ہندوستان کو بدل دیا تھا اس کی ابتدا صرف ترکوں کی فتح سے نہیں ہوئی بلکہ یہ بہت پہلے عربوں کی آمد سے شروع ہو چکی تھی، جیسے آگے واضح کیا جائے گا، عربوں کی فتوحات صرف ہندوستان ہی کے لئے ایک انقلاب کا پیش خیمہ نہیں تھی بلکہ ترکوں کے لئے بھی باعث حیرت و استعجاب تھی، چنانچہ اسی احساس کے تحت فردوسی نے شاہنامہ میں لکھا ہے:-

زشیر شتر خوردن و سوسمار　　عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاج کیاں را کنند آرزو　　تفو باد بر چرخ گرداں تفو

عربوں کی فتوحات اور ترکوں کے عروج کے درمیان دنیائے اسلام کو ایک زبردست زلزلہ سے دوچار ہونا پڑا تھا منگولوں کا حملہ اسلامی حکومت کے لئے کسی زلزلہ سے کم نہ تھا - خلافت منتشر ہو کر مختلف خود مختار حکومتوں میں تبدیل ہو گئی، بغداد کی شان و شوکت، جس نے عباسی خلفاء کے دور کو روایتی حیثیت دی تھی اب صرف افسانہ بن کر رہ گئی تھی - اور یہ حملہ تابوت خلافت کی آخری کیل ثابت ہوئی - ایران کے احمد اللہ مستوفی (آڈیٹر جنرل) چنگیز خاں کے حملے کے ایک صدی بعد اپنی تصنیف "نزہت القلوب" میں ایران کی حالت کے متعلق لکھتے ہیں "ملک نے منگول حملہ کے قبل کی ایک تہائی خوشحالی بھی ابھی تک نہیں حاصل کی"

مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر جو چھوٹی چھوٹی آزاد مسلم حکومتیں قائم ہوئیں ان میں ملتان، بامیان

خرجستان، غزنی اور غور وغیرہ خاص ہیں، ان میں غزنی اور غور خاص قابلِ ذکر ہیں - غزنی کے حکمراں سلطان محمود غزنوی نے بتیس ۳۲ سال کے عرصہ میں ہندوستان پر سترہ ۱۷ حملے کئے، محمود کے حملوں کو طوفان کی آمد ورفت سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی، ہندوستان جو اپنی دولت اور خوشحالی کے لئے شہرہ آفاق تھا اس کی دولت کا بیشتر حصہ مندروں کی نذر تھا اسی لئے سلطان محمود نے اپنے حصولِ مقصد کے لئے مندروں کو اپنا نشانہ بنایا۔ مندروں سے حاصل کی ہوئی دولت کو سلطان محمود کے ایک ہمعصر بزرگ نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا:- "مجھ پر یہ بات واضح نہیں کہ آیا سلطان کی وہ جنگیں۔ حضرت مصطفےٰ علیہ السّلام کی سنت کے مطابق تھیں بھی یا نہیں"۔ (تاریخ سبکتگین ص ۶۲۷) اُمی رسوائے زماں حکمراں کے متعلق پروفیسر محمد حبیب اپنی تصنیف سلطان محمود آف غزنی میں یوں لکھتے ہیں "ہندوستانی سپاہی جو زیادہ تر غیر مسلم تھے آزادانہ طور پر اس کی فوج میں شریک تھے، اور بعد میں ان کی ایک علیحدہ تنظیم کی گئی جس کا کمان دار ایک ہندو تھا اور اپنے ہم عہدوں کے ہم رتبہ تھا، اس کے ہندوستانی سپاہیوں کو دارالسلطنت غزنی میں شنکھ بجانے اور مورتی پوجا کی پوری آزادی حاصل تھی"۔ سلطان کے حملوں کا سب سے اہم ترین نتیجہ یہ ہوا کہ راجپوت راجاؤں کی کمزوری نمایاں ہو گئی اور مزید مسلم حملوں کے لئے ایک نئی راہ کھل گئی۔

گیارھویں صدی کے اوائل میں غور نام کی ایک چھوٹی حکومت بھی منظرِ عام پر آئی چاروں طرف سے بلند پہاڑوں سے محصور ہونے کی وجہ سے ہی منہاج السراج طبقات ناصری میں لکھتے ہیں:- "راہ ہائے جملہ غور از بسیاری برف مسدود" (طبقاتِ ناصری ص ۱۱۳) اس علاقہ نے اسلام کب قبول کیا؟ یہ بات ابتک پایۂ یقین کو نہیں پہونچ سکی ہے۔ منہاج السراج لکھتے ہیں کہ "اس علاقہ نے اسلام حضرت علیؓ کے دورِ حکومت میں قبول کیا تھا" لیکن اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ یہ مستند طور پر ثابت ہے کہ ۵۰-۱۰۲۰ء میں غور کا حکمراں ایک غیر مسلم تھا اور حضرت علیؓ کا وصال ۶۶۱ء میں ہو چکا تھا۔ اور تاریخ سبکتگین کے مطابق غور سلطان مسعود کے حملہ کے وقت غیر مسلم کی حکمرانی میں تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین احمد چشتیؒ کے دورِ بزرگی میں یہ علاقہ صحیح طور پر مسلمان ہوا۔

یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلامی تہذیب وتمدن کے اثرات ہندوستان میں غور حملوں سے شروع ہوئے۔

اسلامی تہذیب سرزمینِ ہند پر مدتوں سے پنپ رہی تھی، یہ غلطی مشہور مؤرخ سر ایلیٹ نے بھی (A History of India As Told by Its Historians) کی ہے۔

میں کی ہے، ہرش وردھن کے دور سے ہی عرب تجار ساحلی علاقوں پر بغرض تجارت وسیاحت آتے جاتے رہتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔ مالا بار اور دیگر ساحلی علاقوں پر ہم مسلم آبادیاں پاتے ہیں۔ بیشتر مؤرخوں سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ غور حملوں کے قبل ہی مسلمان یہاں کثیر تعداد میں موجود تھے۔ سلیمان، مسعود، ابوزید اور ابن حوقل وغیرہ بل ہار (گجرات کے دلبھی راجہ) کی دل کھول کر تعریف کرتے ہیں، یہ راجہ اپنے مسلم عوام کے ساتھ بڑے حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ مسعودی گجرات کے ہندو راجہ کے متعلق لکھتا ہے "اس کی حکومت میں اسلام ہر طرح محفوظ تھا۔ ملک کے بیشتر حصہ میں شاندار مساجد ہیں جہاں مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔" اصطخری نے (۹۵۱ء) میں بل ہاری راجاؤں کی تعریف کی ہے۔ ابن حوقل (۹۶۷ء) میں فام ہل (Fom Hal) سندان (SIN DAN) یمور (SAIMUR) اور کامایا (Kamhaya) میں مختلف جامع مساجد کا تذکرہ کرتا ہے۔ ادریسی گیارھویں صدی میں انہل واڑا کے متعلق لکھتا ہے "انہل واڑا میں باعزت مسلمانوں کی کافی تعداد ہے جو اچھے تاجر ہیں۔ راجہ اور اس کے وزراء ان کی عزت اور تحفظ کے ضامن ہیں" (ELLIOF Dowson Vol I P.88.)

غور حملوں کے قبل ہندوستان میں اسلامی مرکز بھی قائم ہو چکے تھے۔ ابن اثیر کامل التواریخ میں بنارس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "محمد بن سبکتگین کے دور ہی سے اس علاقہ میں مسلمان آباد تھے یہ مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ اور نیک عمل پر کاربند تھے" بحوالہ (ELLIOF AND DOUSONS - REVISED EDITION VOL II.) مشارق الانوار کے مشہور مصنف مولانا ریاض الدین حسن صغانی ۱۱۸۱ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے تھے، انھوں نے احادیث کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ اور جب وہ بغداد گئے تو انھیں سنت دین اور احادیث کا عالم قرار دیا گیا، ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں "محمود غزنوی کے حملے نے مسلمانوں کی آمد کیلئے مکمل راہ کھول دی لیکن اس حملہ کے قبل ہی مشرقی ہندوستان میں مسلمان ایک باثر مقام حاصل کر چکے تھے اور عوام میں تبلیغ مذہب کا کام بھی شروع کر چکے تھے۔" (INFLUENCE OF ISLAMON INDIAN CULTURE P.45)

بارھویں صدی کے اواخر میں غوری حملوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کو انہل واڑا کے راجہ مولراج دویم کے ہاتھوں شکست فاش اٹھانی پڑی۔ اے، بی، ایم حبیب اللہ اس شکست کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں "یہ شکست صرف اس کے طاقت ہی کی نہیں بلکہ اس کے منصوبوں کی بھی شکست تھی۔" (FOUNDATION OF MUSLIM RULE IN INDIA) ۱۱۸۶ء میں سلطان شہاب الدین غزنیوں کو

شکست دینے میں کامیاب ہوا۔ ترائن کی پہلی لڑائی میں پرتھوی راج چوہان نے سلطان شہاب الدین غوری کو شکست دی، اس کے متعلق مولانا عصامی فتوح السلاطین میں یوں لکھتے ہیں:-

چو لشکر دراں حال شہ را بدید ۔۔۔ عناں را بعزم ہزیمت کشید
با فواج ترکاں شکستے فتاد ۔۔۔ سوئے ملک خود ہر یکے سر نہاد

(ص ۶۸ - آغا مہدی حسن ایڈیشن)

لیکن اس شکست نے سلطان کے حوصلہ کو شکستہ نہیں کیا۔ اگلے سال دوبارہ وہ رائے پتھورا سے اسی عزم و ارادہ کیساتھ ترائن کے میدان میں ٹکر لینے آیا جس میں اسے شاندار فتح حاصل ہوئی۔ مولانا عصامی لکھتے ہیں۔

صف ترک شد چیرہ زاں دست برد ۔۔۔ کہ ہندو عناں در عزیمت کشید
پتھورا ہماں رائے اقلیم گیر ۔۔۔ بدست سپہ زندہ آمد اسیر

اس فتح نے تمام متحد راجپوت قوتوں کو منتشر کر دیا۔ غور فتوحات کا سلسلہ بڑھتا ہی رہا۔ قنوج، بہار، بنگال برن اس کے حد سلطنت میں شامل ہو گئے۔ اس کے لائق و فائق سپہ سالار بختیار خلجی نے فتح کے ناقابل فراموش شاندار کارنامے انجام دیئے۔ قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش کے دور تک تو ترکوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی، اس دور میں راجپوت سورماؤں کو تقریباً جنگ کے ہر مورچہ پر ترکوں سے شکست کھانی پڑی۔ راجپوتوں کی شکست یا ترکوں کی فتح کے اسباب تاریخ کا ایک اہم موضوع ہے۔

راجپوتوں کی شکست کے اسباب پر روشنی ڈالنے سے قبل اس سلسلہ کی کچھ غلط فہمیوں کو بھی دور کر لینا بہتر ہے۔ راجپوتوں کی شکست کے اسباب میں یہ دلیل پیش کرنا کہ راجپوت فطرتاً امن پسند واقع ہوئے تھے اور میدان جنگ کا تجربہ نہیں تھا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، راجپوت شکست کے اسباب کا یہ خود ایک اہم پہلو ہے کہ راجپوت حکمراں آپسی بغض و عناد میں ہمیشہ برسر پیکار رہتے تھے۔ جنگ اُن کا معمول تھا۔ آپسی پھوٹ نے ملک کی یکجہتی اور تنظیم کو ختم کر دیا تھا۔ وطنیت اور قومیت کا کوئی جذبہ اعلیٰ پیمانہ پر نہیں تھا۔ ڈاکٹر ایشوری پرشاد راجپوتوں کے متعلق لکھتے ہیں:- "پورا ملک مختلف آزاد صوبوں میں منقسم تھا۔ جو ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔" (MEDIAEVAL INDIA P. 178) ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں "سیاسی طور پر شہنشاہیت کا وہ دور ختم ہو گیا۔ جس میں ایک حکمراں کی ماتحتی میں مختلف صوبے تھے۔ اور راجپوتوں کے جاگیردارانہ نظام کی ابتدا ہوئی۔ آپس میں

ہمیشہ برسرِ پیکار رہ کر انھوں نے مسلم فتوحات کے لئے راہ کھول دی۔ INTRODUCTION OF INFLU ENCE OF ISLAM ONIADIAN CULTURE P.V

آب وہوا کا اثر بھی کوئی خاص سبب نہیں ہے بلکہ یہ ایک جزوی امر ہے جو کلی کے ساتھ فراموش کیا جا سکتا ہے یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ترک جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر لڑتے تھے اس لئے ان کے جوش و خروش عزم و حوصلہ میں زیادہ استقلال تھا۔ مگر انفرادی شجاعت و بہادری کا جہاں تک تعلق ہے راجپوت کسی طرح ایک ترک سپاہی سے کم نہ تھے۔ ان کی بہادری ضرب المثل ہے۔ راجپوت اپنی آن شان اور خودداری کے زبردست حافظ تھے۔ شکست کھانے کی صورت میں راجپوت مرد جوہر کر کے اور عورتیں ستی ہو کر ایک غیر معمولی جرأت اور مردانگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جوہر کی اس رسم نے مسلمانوں کو اتنا متاثر کیا تھا کہ نادر شاہ کے حملے کے وقت جب عام مسلمان خوف و ہراس میں مبتلا تھے اور ان کی زندگی اور آبرو خطرے میں تھی تو مسلمان متحدہ طور پر جوہر کیلئے تیار ہو گئے۔ لیکن شاہ ولی اللہؒ نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور کربلا کا واقعہ بطور مثال پیش کیا۔

(بحوالہ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ)

ترکوں کی فتح کے متعلق پروفیسر محمد حبیب نے بالکل درست لکھا ہے کہ "یہ غوریوں کا کارنامہ نہیں تھا بلکہ ہندوستان کا زوال تھا۔" "IT WAS NOT A GHAURIES ACHIEVE MENT BUT AN INDIAN COLLEPSE"

ہندوستان کے زوال کا سب سے اہم سبب ہندوستان کا سماجی نظام تھا۔ ذات بندی (CASTE SYSTEM) ہندوستانی سماج کا سب سے اہم عنصر تھا۔ اس ذات بندی کو ہم ہندوستان کی کمزوری سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ انگریزی کی ایک مشہور مثل "THE FOLLY OF ONE MAN IS THE FORTUNE OF ANOTHER". اس موقع کے لئے بالکل درست ہے۔ ذات بندی کے جراثیم بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ذات بندی کی ابتداء انتہائی قدیم دور سے شروع ہو چکی تھی۔ اور اس کا تذکرہ ہم وید، اپنشد اور دھرم شاستروں میں پاتے ہیں۔ قدیم دور میں اعمال کی بنیاد پر ذات کا تعین ہوتا تھا لیکن اس دور میں ذات اور اس کے استحقاق کا تعین پیدائش پر ہونے لگا تھا۔ ذات بندی کا شکنجہ دن بدن سخت تر ہوتا جا رہا تھا۔ چھوا چھوت، امتیازِ رنگ و نسل تفریقِ پیدائش سماج کے بنیادی ستون تھے، برہمن کا سماج میں ایک باعزت اور مقدس مقام ہوتا تھا۔ ہم قدیم تصانیف سے موجودہ قانونی کتابوں تک میں برہمن کے تقدیس اور اعزاز کا تذکرہ پاتے ہیں۔ منو اسمرتی میں برہمنوں کے متعلق لکھا ہے۔

ہر چیز اپنے وجود میں برہمن کے لئے آئی ہے۔ برہمن پیدائشی طور پر زمین کی ہر شے سے بلند تر ہے۔ ہر مال و دولت پر اس کا حق مستند ہے۔ وہ مذہب کا محافظ ہے۔" (منواسمرتی باب اول ص ۲۴ تا ۲۶) برہمن اپنے حقوق کا غلط استعمال انتہائی ابتدائی دور سے کر رہے تھے۔ گوتم بدھ کی آمد سے قبل ہندوستان کی سماجی حالت کے متعلق لکھتے ہوئے اچاریہ نریندر دیو اپنی تصنیف بودھ دھرم درشن میں لکھتے ہیں "یہ پروہت (مذہبی پیشوا) تنگ دل اور خود غرض ہونے لگے تھے وہ خود کو سب سے افضل اور برتر سمجھتے تھے، اس دور میں یہ مذہبی پیشوا انسانی خدا ہو گئے تھے۔" (باب اول ص ۱) اس دور میں برہمن اپنے تمام حقوق و اقتدار کے ساتھ پست قوموں کو دبا رہے تھے۔ اس دور میں برہمنوں نے وہی مقام حاصل کر لیا تھا جو (ہنری IV) کے دور میں یورپ کے پادریوں کا تھا۔ ابوریحان البیرونی فی تحقیق ماللهند میں لکھتے ہیں "وید صرف برہمن اور چھتری ہی پڑھ سکتے تھے۔ موکھشا یا نجات کا ذریعہ صرف برہمن تھا۔"

برہمن کے بعد سماج میں چھتریوں کا مقام تھا۔ ان کو بھی بیشتر سماجی مراعات حاصل تھیں۔ شاستراجیوا (فنِ سپہ گری) ان کا خاص ذریعۂ معاش تھا۔ بھوت رکھشنا (تحفظ جان و مال) ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ البیرونی تاریخ الہند میں لکھتے ہیں "چھتریوں کا مقام برہمنوں سے زیادہ نیچا نہیں تھا" (تاریخ الہند جلد اول ص ۱۰۱) چھتری بھی دیگر پست قوموں سے رابطہ اور میل ملاپ کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چھتریوں کے بعد سماج میں ویش اور شودر کا مقام آتا تھا۔ تجارت، صنعت و حرفت اور چوپایوں کی نگہ بانی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ (دوی جاتی سوسرد شا) برہمن اور چھتری کی خدمت کرنا ان کا فرض تھا۔" ایک شودر برہمن کا غلام ہوتا تھا اور برہمن کی خدمت کرنا اس کا فرض تھا۔" (تاریخ الہند جلد دوم ص ۱۲۵)

سماج میں سب سے پست اور ابتر مقام ہادی، ڈوم، چنڈال اور بدھا تو کا ہوتا تھا۔ یہ مُردوں سے بھی بدتر تھے۔ تمام گھناونے اور گندے کام ان کے سپرد تھے، ابوریحان البیرونی نے ان کے متعلق بالکل درست لکھا ہے "واما هادی، دوم، چندال و بدهتو فلیسوا معدودین فی شئ وانما یشتغلون برذالات الأعمال من تنظیف القرای و خدمتها وکلهم جنس واحد یمیزون بالعمل کولد الزنا" (فی تحقیق ماللهند باب ط ص ۷۷) یہ تمام فرقے اپنے فرائض کے بنا پر مختلف تھے مگر حیثیت کے لحاظ سے ان میں کوئی امتیاز نہیں تھا یہ سب ناجائز اولاد کی مانند مطعون تھے۔

ان کے فرائض کے متعلق منو اسمرتی میں تحریر ہے کہ "چنڈال ڈوم بستیوں کے باہر قیام کریں گے، کتے اور بندر ان کا سرمایہ ہوں گے، مُردوں کے کفن ان کے لباس ہوں گے۔ ان کی غذا لوگوں کا چھوڑا ہوا کھانا ہوگا۔ بطور زیور یہ سیاہ لوہا استعمال کریں گے۔ ان کا کوئی مسکن نہیں ہوگا۔ ایک متشرع انسان ان کی صحبت میں نہیں رہے گا۔ ان کا زر، مبادلہ بھی آپس ہی میں ہوگا۔ یہ آپس ہی میں شادی کریں گے' رات کو یہ لوگ بستیوں میں قیام نہیں کر سکتے۔ دن میں یہ اپنی ضروریات کے تحت شہر میں بادشاہ کی متعین کردہ شناخت کے ساتھ جائیں گے۔ لاوارثوں کی لاش اٹھانا ان کا کام ہوگا اور یہ ایک مستند اور متعین قانون ہے" (منو باب دس سیکشن ص ۵۲ - ۵۱) مشہور و معروف چینی سیاح فاہیان جو چندر گپت دوئم کے دور حکومت میں ہندوستان آیا تھا اپنے سفر نامہ ہند میں لکھتا ہے کہ "جب چنڈال شہر میں داخل ہوتے تھے تو دو لکڑیوں کو آپس میں ٹکراتے ہوئے چلتے تھے تاکہ اس آواز سے گرد و نواح کے لوگ خبردار ہو کر کہ چنڈال آرہے ہیں راستے سے ہٹ جائیں، تاکہ ان کے جسم ناپاک نہ ہو جائیں، اس دور میں چنڈالوں کی کیا شناخت تھی، واضح نہیں۔ منو اسمرتی میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "جس وقت ایک برہمن کھانے میں مصروف ہو اس وقت ایک چنڈال، گاؤں کے سور، کتے، ایک عورت جو کہ حیض سے ہو اور ایک غلام کو برہمن کی جانب نہیں دیکھنا چاہئے" (منو سیکشن III ص ۱۱۹)

تمام پست قومیں شہر سے باہر اپنی بستیاں بنا کر رہتی تھیں، سورج غروب ہونے تک شہر چھوڑ دینا لازمی تھا۔ دیگر قومیں قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جاتی تھیں، یہ تمام پست قومیں مکمل طور پر قدرت کے رحم و کرم پر قانع تھیں۔ اس طرح ہم ترکوں کے حملوں کے قبل شہر کے باہر ایک ایسی جماعت پاتے ہیں جن کے سینوں میں نفرت حسد اور انتقام کی ایک آگ مشتعل تھی، اور اسکی وجہ ہندوستان کا وہ سماجی نظام تھا جس کے بنیاد کی ہر اینٹ ذات بندی، ذنر پرستی اور ناانصافی پر رکھی تھی۔ سماج میں عورتوں کا مقام بھی بہت پست تھا، ہم قدیم دور سے ہی عورتوں کو ایک قابل رحم حالت میں پاتے ہیں، ار سی مجومدار عورتوں کی سماجی حالت لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "انتہائی معمولی مذہبی فرائض مثلاً جاپ کرنا، نام کرنا اور چڑھاوا کرنا وغیرہ وہ بھی بغیر ویدمنتر ادا کئے ہوئے نہ انجام دے سکتی تھیں۔ عورتوں کا مقام مذہبی حیثیت سے شودر تک پہونچ گیا تھا۔ بھگوت گیتا کے (IX P. ۳۲) سے بھی اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے (THE AGE OF IMPERIAL UNITY VOL II P. 564) عورتوں کی اس قدیم حالت میں اب تک کوئی تبدیلی

نہیں ہوئی تھی، بلکہ ان کی حالت مزید قابلِ رحم ہوگئی تھی۔ سماج کے پنجۂ استبداد میں عورتیں مظلومی اور بے کسی کی زندگی گذار رہی تھیں، ہندو قوانین سے بھی عورتوں کی بیچارگی ثابت ہے" ایک شوہر جس کی بیوی بار بار لڑکی جنتی ہو وہ اپنی بیوی سے مزید صحبت نہیں کر سکتا (HINDU LAW CUSTOM-PROF-FOLLY P. 145) بیوہ کیلئے دوسری شادی ممنوع تھی" (تاریخ الہند حصہ دوم ص ۱۵۵)

اس دور کے عام نظام عدلیہ پر نظر ڈالنے سے یہ امر بیّن طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ فرقہ پرستی اور ذات بندی کے جرائم انصاف کو بھی شدید طور پر مجروح کر رہے تھے، پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں" ایک سماج جس کی بنیاد ذات بندی پر ہو وہ انصاف میں پیدائش نسل اور خاندان کی تفریق اور امتیاز سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔" (RELIGION OND POLITICS IN INDIA P.73)

سماج میں چھوت چھات کی انتہا کے متعلق البیرونی لکھتے ہیں کہ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اگر کسی چنڈال کے گھر کی لگی ہوئی آگ مشتعل ہو کر ایک برہمن کے گھر کو بھی اپنے زد میں لے لے تو کوئی ہندو چنڈال کے گھر کی آگ تو درکنار برہمن کے گھر کی آگ بھی بجھانا پسند نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ آگ کی ابتدا ناپاک گھر سے ہوئی ہے، البیرونی ایک جگہ اور عام ہندوستانیوں کے ذہنی رجحانات کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتے ہیں" ہندوؤں کو یقین ہے کہ ان کی حکومت سب سے زیادہ مضبوط اور وسیع ہے، وہ اپنی قوم کو سب سے افضل اور برتر تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنی علمیت اور قابلیت کے بالمقابل کسی کو بھی اپنا ہم پلہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں، ان کے پاس جو علم ہے اسے وہ دوسروں پر ظاہر کرنے میں انتہائی بخیل ہیں، اگر وہ سیر و سیاحت کرتے اور دوسروں سے رابطہ قائم رکھتے تو ان کے رجحانات ایسے نہ ہوتے جبکہ انکے آباو اجداد اتنے تنگ نظر نہ تھے۔"

ہندوستانی سماجی نظام جو غیر منظم غیر متحد اور غیر منصفانہ تھا ہر طور پر ترکوں کیلئے مفید ثابت ہوا۔ پروفیسر محمد حبیب ترکوں کی فتح پر اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں" انسانی تاریخ میں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ایک وسیع ملک جس کے اونچے طبقے کے افراد اتنے خوشحال اور تہذیب یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کے تعلیمی معیار سے تعلیم یافتہ بھی ہوں اتنے آسانی سے حقیر باشندوں سے مات کھا جائے۔۔۔۔۔ اس کی وجہ فوجی طاقت میں نہیں بلکہ سماجی اجزاء میں پنہاں ہے" (INTRODUCTION-ELLIOT DOWSON VOL II P. 50) ترکوں نے بوقت حملہ شہر اور آبادیوں کے باہر ایک ایسی جماعت پائی جو مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر تھی، یہ وہ لوگ تھے جن کو سماج بدر کر دیا گیا تھا، یہ وہ تھے جن کی زندگی کی قیمت کسی بھی طرح ان کے ہم وطنوں کی نظر میں کتے بلی سے زیادہ نہ تھی، ترک اگر چاہتے تو ان کو بآسانی تہ تیغ کر سکتے تھے لیکن اس صورت

میں فتح وکامرانی کی وہ منزل انھیں نصیب نہ ہوتی جو اُن پست قوموں کے تعاون سے ہوئی، ترکوں نے اپنے حسن سلوک سے اُن سے راہ ورسم پیدا کرکے ان کی ہمدردی اور اعانت حاصل کی، ایک طرف تو انتہائی نفرت اور دوسری طرف انتہائی محبت کے جذبہ نے ان کو نفسیاتی طور پر ترکوں کا گرویدہ بنا دیا۔ بصورتِ جنگ ہر قلعہ مکمل طور پر محصور ہوجاتا تھا ایک تو حملہ آور ترکوں سے دوسرے ان باغی پست قوموں سے اس طور پر قلعہ بند فوجیں قلعہ کے باہر رہنے والوں کے رحم وکرم پر منحصر ہوگئیں مراسلہ، بیرونی امداد، آمدورفت کے ذرائع یہ تمام چیزیں مسدود ہوگئیں، رسد نہ ملنے کی صورت میں قلعہ بند فوجوں کو بھوکا بھی مرنا پڑتا تھا، مراسلہ اور آمدورفت کے ذرائع کی معطلی کے بنا پر دوسری جگہوں کے حالات سے بے خبری رہتی تھی، اور خارجی امداد نہ ملنے کی صورت میں شکست بھی اُٹھانی پڑتی تھی، مذہب وملت مندر اور وید کے نام پر قلعہ بند فوجوں کو ان پست قوموں سے امداد کی توقع کرنا بھی عبث تھا کیونکہ ان کو ان نعمتوں سے محروم کردیا گیا تھا، انھیں اپنے ملک اور قوم سے کوئی ہمدردی نہیں تھی، اِن پست قوموں کی اعانت نے ترکوں کو جلد فتح حاصل کرنے میں بے انتہا مدد کی، اور ترکوں کو ان کی اعانت صرف اس لئے حاصل ہوئی کہ ہندوستان کے سماجی نظام نے ان کے قلوب میں ملک وملت کے تحفظ کا کوئی جذبہ باقی رہنے نہیں دیا تھا، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بالکل درست لکھا ہے کہ اگر ہندوستانی عوام ترک حکومت کی بنیاد کی مخالفت کرتی تو غور فوجیں سرزمینِ ہند کا ایک انچ بھی حاصل نہیں کرپاتیں" RELIGION AND POLITICS IN INDIA, P. 80 "

سماجی نقائص کے علاوہ راجپوتوں کی فوجی تنظیم بھی ناقص تھی، راجپوتوں کو فوج کی تعداد اور وزن پر اعتماد تھا، راجپوت فوجیں جنگی آلاتِ حرب کے وزن کے سبب سست رفتار ہوجاتی تھیں، ہتھیار وزنی ہونے کی وجہ سے جلد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کئے جاسکتے تھے، ہاتھی ان کا خاص جزوِ فوج تھا، ایک فوج جس میں ہاتھی پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے وہ فوج انتشار یا فرار کی صورت میں خود اپنے ہاتھیوں سے بہت زیادہ نقصان اُٹھاتی ہے، ہاتھی بھاگنے کی صورت میں اپنی فوج کو ہی روند دیتے تھے۔ اور یہ روندی ہوئی خستہ حال فوج اتنی شکستہ ہوجاتی تھی کہ دوبارہ جلد منتظم ہونے کی قوت باقی نہیں رہتی تھی۔ برخلاف اس کے ترکوں کو فوج کی تیزگامی چستی اور پھرتی پر اعتماد تھا۔ ترک فوجیں اتنی تیزگام ہوتی تھیں کہ ایک دن میں مختلف قلعوں پر حملہ کرتی تھیں، ان کی اِس پھرتی کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قلعے خزاں کی پتیوں کی مانند گررہے تھے، اس سرعتِ فتح سے ہندوستانی حکمراں بدحواس ہوگئے تھے، ترکوں کے آلاتِ حرب بہت کم وزن اور ہلکے ہوتے تھے جنھیں ہر سپاہی با آسانی لیکر چل سکتا تھا، اس طرح انھیں فرار کی صورت میں زیادہ نقصان نہیں اٹھانا پڑتا تھا، ترکوں کو

اپنی گھوڑ سواری اور تیر اندازی پر بہت ناز تھا جو بجا بھی تھا وہ ایک انتہائی منظم اور مضبوط گھوڑ سوار فوج کے مالک تھے۔ تاریخ میں اس دور کو "گھوڑے کا دور" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اُس وقت کے ہندی ادب میں ترکوں کو "اشوپتی" "گھوڑے کا سردار" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ سلطان شمس الدین التمش کے رائج کردہ سکوں پر ہم گھوڑ سوار کی شکل پائیں گے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کو تو ہندوستانی فوج کی کمزوری اور اپنی گھوڑ سوار فوج پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ کہا کرتا تھا "میں بخوبی واقف ہوں کہ کوئی ہندوستانی حکمراں میرے خلاف جنگ نہیں کریگا کیونکہ دہلی کی چھ یا سات ہزار کی گھوڑ سوار فوج رئیس راناؤں کی ایک لاکھ کی پیدل فوج ر ہائک کے لئے کافی ہے" (تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی ص ۵۲) اسمٰعیل ترکوں کے متعلق لکھتے ہیں "ترک گھوڑوں سے بغیر اُترے بحالتِ سواری بہترین تیر اندازی کر لیتے تھے، وہ بھاگنے کی صورت میں بھی اپنے تعاقب کرنیوالی فوج پر تیر اندازی کرتے تھے (CRUSADING WARFARE P.P. 80-81)

ترکوں کی آمد کے قبل ہندوستان میں مرکزی حکومت کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ پورا ملک چھوٹے چھوٹے آزاد خود مختار صوبوں میں منقسم تھا۔ بصورتِ جنگ بطور مدد یہ آزاد صوبے اپنی فوجیں بھیجتے تھے، راجپوت فوج کا سب سے بڑا نقص ان کی مشترک اور مخلوط فوج تھی، پوری فوج مختلف خود مختار جماعتوں کا مجموعہ تھی اور ہر ایک جماعت کا ایک علیحدہ کمان دار ہوتا تھا، ہر جماعت اپنے طریقہ جنگ کیلئے آزاد تھی۔ سپاہیوں کے مقاصد میں یکسانیت نہیں تھی، کوئی اپنے کمان دار کی وفاداری میں لڑتا تھا۔ کوئی اپنے حاکم کی خوشنودی میں لڑتا تھا، کوئی انفرادی شجاعت کے مظہر کے لئے برسرپیکار تھا۔ ایک فوج جو مختلف آزاد جماعتوں پر مشتمل ہو اور ہر ایک کا طریقۂ جنگ مختلف ہو سپہ سالار مختلف ہوں مقاصد مختلف ہوں وہ فوج مجموعی طور پر غیر متوازن، غیر متحد اور غیر منظم ہوتی ہے کیونکہ یکجہتی، یکسانیت اور اتحاد تنظیم فوج کے لازمی جز ہیں، غلط فہمی کا امکان غیر معمولی طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ ایسی ہی مشترک افواج کے متعلق فخر مدبر آداب الحرب و شجاعت میں لکھتے ہیں "ایک مخلوط فوج کا لشکر جس کے سپاہی مختلف ذرائع اور مقام سے حاصل کئے گئے ہوں تنخواہوں سے تنخواہ داروں سے ایسا سپہ سالار کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دے سکتا ہو ایسی مشترک غیر منظم فوج فتح بھی حاصل نہیں کر سکتی" (بحوالہ ریلیجن اینڈ پالیٹکس ان انڈیا ص ۸) برخلاف اس کے ترک فوجیں انتہائی منظم ہوتی تھیں، پوری فوج ایک کمان دار کے تحت ایک حصولِ مقصد کے خاطر برسرپیکار رہتی تھی، ترک فوجوں کی تنظیم اتحاد، یکسانیت اور یکجہتی قابلِ ستائش رہتی تھی، راجپوت فوج اتنی مضبوط اور چٹان کی طرح اٹل ہوتی تھی کہ ترک ان سے شانہ بشانہ جنگ نہیں کر سکتے تھے، ترائن کی پہلی جنگ ۱۱۹۱ء میں سلطان شہاب الدین غوری کو راجپوتوں سے اس لئے شکست

اٹھانی پڑی تھی کہ اسے راجپوت فوج کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکا تھا، اور وہ ناتجربہ کاری میں دوبدو جنگ کرنے کیلئے فوج میں گھس گیا تھا، اور زخمی ہونے کے ساتھ ساتھ راہِ فرار بھی اختیار کرنی پڑی تھی لیکن اس کے بعد ترک فوج کبھی بھی راجپوتوں سے ہمدوش ہوکر نہیں لڑی۔ ترک فاصلہ سے راجپوتوں کو محصور کرلیتے تھے اور بیک وقت پوری فوج پر دھاوا بول کے ٹوٹ پڑتے تھے، اور راجپوتوں کو بدحواس خوفزدہ کرنیکی سعی پیہم کرتے تھے، ترکوں کی محفوظ فوج بوقت خطرہ RESERVED FORCE نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ترکوں کا خاص مقصد راجپوت فوج میں ہنگامہ اور غلط فہمی پیدا کرنا تھا۔ راجپوت فوج کا بیشتر حصہ ہاتھیوں پر مشتمل تھا اس لئے غلط فہمی اور ہنگامہ کی صورت میں فوج کا سنبھلنا مشکل ہوتا تھا۔ راجپوت سپاہی میدانِ جنگ میں مردانہ وار مرجانا تو جانتے تھے مگر فتح حاصل کرنا نہیں جانتے تھے۔

جیساکہ البرونی کے اعتراف سے واضح ہے کہ ہندوستانی دوسرے ملکوں کا سفر کرنا پسند نہیں کرتے تھے اسی لئے راجپوت نئے نئے فنونِ جنگ سے ناواقف تھے، ان کا طریقۂ جنگ اپنا ایک مخصوص تھا جو صدیوں سے برتے کا تھا۔ گر بیرونی حملہ آوروں کو شکست دینے کیلئے ناکافی تھا۔ ترک اپنے ساتھ نئے نئے طریقۂ جنگ لائے تھے، ترکوں کے پاس زیادہ بہتر اور مفید آلاتِ حرب تھے۔ محاذِ جنگ پر مردانہ وار نبرد آزما ہونا ہی فتح کی ضمانت نہیں بلکہ جنگی چالیں سازشیں اور گھاتیں بھی بہت کارآمد ثابت ہوتی ہیں، اور ہمارے ہندوستانی سپاہی اس سے قطعاً بے خبر تھے۔ ترک انتہائی اعلیٰ قسم کی جنگی چالوں کے مالک تھے مثلاً شب خون، فریب اور محفوظ فوج وغیرہ۔

چھوت چھات کا وہ جذبہ جس نے سماج کو مفلوج کردیا تھا راجپوت فوج کی تنظیم میں بھی پیش پیش تھا۔ راجپوت سپاہیوں کو جنگ کے علاوہ اپنی ذاتی ضروریات اور آسائش کا بھی انتظام کرنا پڑتا تھا، ہر سپاہی کو خود اپنے کھانے پینے رہائش اور آرام کا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ یہ تمام کام میدانِ جنگ کے سپاہی کیلئے انتہائی مضرت رساں ہوتے ہیں، ایک راجپوت سپاہی کی تمام تر توجہات محاذِ جنگ پر مرکوز نہیں ہوپاتی تھیں، ترک فوج میں ایک سپاہی کا کام صرف لڑنا ہوتا تھا۔ میدانِ جنگ سے واپسی پر اسے تیار شدہ کھانا، آرام دہ بستر اور ضروریات زندگی کی تمام چیزیں مہیا ملتی تھیں۔ راجپوتوں کا یہ نظام بذاتِ خود ناقص تھا گر ابتک انکی جنگ اپنے ہم قوموں سے ہوتی تھی اس لئے ان کو اس کا کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا تھا کیونکہ وہ خود بھی اس مرض کے شکار تھے۔ مگر یہاں مقابلہ بیرونی قوم سے تھا جو ان تمام نقائص سے پاک تھی، اس طرح مجموعی طور پر ایک ترک سپاہی ایک راجپوت سپاہی سے زیادہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں متوجہ تھا۔

گذشتہ صفحات میں ہندوستان کے سماجی نظام پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے جو اب محتاج تحریر نہیں، ترک اپنے ساتھ وہ آزمودہ سماجی نظام لائے تھے جس نے دنیا کو ایک نئے انقلاب سے روشناس کرایا تھا۔ ترکوں کا سماجی نظام ان نقائص سے مبرا تھا جو ہندوستان کے زوال کا سبب بنا، بے انصافی کے بالمقابل انتہائی غیر جانبدارانہ انصاف پسندی، عورتوں کی حق تلفی کے مقابل حقوق نسواں، چھوت چھات، نفرت فرقہ پرستی، اور تفریق کے بالمقابل مساوات، برادرانہ اخوت، یکجہتی اور یکسانیت بخشی۔ جس کا بہر حال ہر ہندوستانی شہری باشندے نے استقبال کیا، اسلامی تہذیب و تمدن نے ہندوستانیوں پر زبردست اثر ڈالا تھا اور ہندوستانی باشندے صرف ان کے ہمنوا ہی نہیں بلکہ ہم خیال بھی ہو گئے، ان پست قوموں کے علاوہ ہم کثیر تعداد میں راجپوتوں کو بھی اسلام قبول کرتے ہوئے پاتے ہیں، ایک راجپوت سپاہی جب ترکوں کی قید سے رہا ہو کر اپنے وطن واپس جاتا تھا تو اسے ترکوں (ملیچھ) کی چند دن کی صحبت سے اتنا ناپاک تصور کیا جاتا تھا کہ اسے تمام سماجی مراعات اور حقوق سے یک لخت محروم کر دیا جاتا تھا۔ خود اس کے گھر کا دروازہ اس کے لئے بند ہو جاتا تھا جسمانی طور پر تو وہ ضرور زندہ رہتا مگر سماجی طور پر مُردوں سے بھی بدتر تھا، یہ تصور ایک راجپوت کے لئے کتنا اندوہناک رہتا ہوگا کہ جس ملک اور قوم کی خاطر اس نے اپنی جان خطرے میں ڈالی اسی ملک اور قوم میں اس کے لئے عرصۂ حیات تنگ ہے۔ جبکہ دوسری طرف اسلام قبول کرنے سے اس کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ ایک طرف تنگ نظری اور دوسری طرف وسیع النظری کے جذبہ نے ان کو اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ کر دیا، اور یہی ترکوں کی فتح تھی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں "خود اپنے اعزا سے ٹھکرائے ہوئے یہ قیدی اکثر اسلام قبول کرنا پسند کرتے تھے" (RELIGION AND POLITICS IN INDIA P. 71)

سلاطین دہلی کی وسیع النظری اور صوفیائے کرام کی ہندوؤں کی جانب بے انتہا شفقت و محبت نے بھی غیر مسلموں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اور ان تمام عناصر نے کلی طور پر ترکوں کو ہر جگہ فتح حاصل کرنے میں بے انتہا مدد کی۔

ترکوں کی مخالفت سوائے راجپوت حکمراں اور سپاہیوں کے کسی اور نے نہیں کی۔ ہندوستان کا سماجی نظام اتنا غیر منصفانہ تھا کہ کسی نہ کسی تبدیلی کا واقع ہونا لازمی تھا۔ راجپوتوں کی شکست صرف میدان جنگ کے سپاہیوں کی شکست نہیں تھی بلکہ ایک سماجی نظام کی شکست تھی جس کے افراد خود اس شکست کے ذمہ دار تھے، پروفیسر محمد حبیب لکھتے ہیں: "اس وقت ہندوستان کی شہری آبادی کے سامنے ایک طرف تو شریعت اسلام کا سماجی اور اقتصادی نظام اور اس کے بالمقابل ہندو اسمرتی کا قانون تھا، فطری طور پر ہندوستان کی شہری آبادی نے اسلامی نظام کو قبول کیا اور شہری آبادی کا یہ فیصلہ ایک خاص

اہمیت اور دُور رس نتائج کا حامل تھا کیونکہ ہمیشہ سے ہندوستان کی شہری آبادی ہی یہ فیصلہ کرتی چلی آئی ہے کہ حکومت کا مستحق کون ہے"۔ (ELLIOT AND DOWSONS HISTORY OF INDIA INTRODUCTION P. 52.)

اس وقت کا سماجی نظام ہندوستانیوں کے لئے طوقِ غلامی کی لعنت سے کم نہیں تھا۔ اور اس طوق و سلاسل سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تمنا عین تقاضائے فطرت تھی، میدانِ جنگ کی فتح کے بعد بھی ترکوں کا ہندوستان میں آباد ہو کر اطمینان سے حکومت کرنا آسان نہ ہوتا اگر ان کے کردار کا ذاتی اثر عوام پر نہ پڑتا، ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں: "اسلام کے سادہ عقیدہ متعین رسم ورواج، مستند اصول اور قوانین نے جمہوری سماجی نظام کے ساتھ ساتھ عوام کو بے انتہا متاثر کیا"۔
(INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE P. 34)

ترکوں نے ہر مسلمان کو بلا تخصیص مساوی حقوق و مراعات عطا کر کے عوام الناس کو از حد متاثر کیا اور عوام سے جذبات و احساسات کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچ لیا۔ ورنہ عوام کے جذبہ نفرین اور شورش کو ترک بزورِ شمشیر بھی نہیں فرو کر سکتے تھے۔ پروفیسر محمد حبیب لکھتے ہیں "اس کو ایک فتح کہنا بالکل درست نہیں، یہ رائے عامہ کی ایک اچانک اور بلاشبہ بالکل غیر متوقع تبدیلی تھی مگر اس کا وقوع پذیر ہونا ناگزیر تھا"۔ مندرجہ بالا استدلال کے پیشِ نظر یہ امر بدیہی طور پر عیاں ہے کہ ترکوں کی فتح کا سبب ہندوستان کا زوال تھا اور یہ تبدیلی کوئی اچانک یا غیر متوقع تبدیلی نہیں تھی۔

غیر ملکی (ممبران) معاونین ندوۃ المصنفین اور خریدارانِ برہان سے ضروری گذارش

پاکستان اور دوسرے ممالک کے ممبرانِ ادارہ کی خدمت میں یاددہانی کے خطوط اور پروفارما بل وقتاً فوقتاً ارسال کئے جا رہے ہیں۔ فوری توجہ فرماتے ہوئے رقم ذریعہ ڈرافٹ یا برٹش پوسٹل آرڈر سے ارسال فرما کر ممنون فرمائیے۔ ڈرافٹ ہمیشہ ادارے کے نام کا ہونا چاہیے

مینیجر رسالہ برہان دہلی

نوٹ

پاکستانی تاجرانِ کتب سے گذارش ہے کہ وہ اپنے آرڈروں کی تعمیل کیلئے اجازت دیں کہ ہم ریل یا بحری جہاز سے مال روانہ کریں، اس میں مصارف کم ہوتے ہیں اور مال اتنی ہی حفاظت سے پہونچتا ہے جتنی حفاظت ڈاک سے روانہ کرنے میں ہو سکتی ہے اس طریق کار میں جتنی سہولتیں ممکن ہیں ادارہ بہم پہونچائے گا۔

نیازمند
منیجر ندوۃ المصنفین و مکتبہ برہان دہلی